تفسیر سورۃ الضحیٰ

فضيلۃ الشيخ محمد بن صالح العثيمين رحمہ اللہ المتوفی سن 1421ھ

(سابق سنئير ركن كبار علماء كميٹی، سعودی عرب)

ترجمہ: طارق علی بروہی

مصدر: تفسير العلامة محمد بن صالح العثيمين

پیشکش: توحیدِ خالص ڈاٹ کام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿وَالضُّحٰى، وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى، مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى، وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى، وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى، اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى، وَوَجَدَكَ ضَاۗلًّا فَهَدٰى، وَوَجَدَكَ عَاۗىِٕلًا فَاَغْنٰى، فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ، وَاَمَّا السَّاۗىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ، وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ (الضحیٰ: 1-11)

(قسم ہے دھوپ چڑھنے کے وقت کی! اور رات کی جب وہ چھا جائے! نہ تمہارے رب نے تمہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔ اور یقیناً آنے والی گھڑی تمہارے لیے پہلی سے بہتر ہے۔ اور یقیناً عنقریب تمہارا رب تمہیں وہ کچھ عطاء فرمائے گا، پس تم راضی ہو جاؤ گے۔ کیا اس نے تمہیں یتیم نہیں پایا، پس ٹھکانا دیا۔ اور اس نے تمہیں راستے سے ناواقف پایا، پس راستہ دکھا دیا۔ اور اس نے تمہیں تنگدست پایا، تو غنی کر دیا۔ پس جو یتیم ہے تم بھی اب (اس پر) سختی نہ کرو۔ اور جو سائل ہے پس (اسے) مت جھڑکو۔ اور جو نعمتیں ہیں تمہارے رب کی، پس (انہیں) بیان کرتے رہو)

بسم اللہ سے متعلق کلام پہلے گزر چکا ہے۔

فرمان الہی:

﴿وَالضُّحٰى﴾ اور الضحی کا معنی ہے دن کا اول پہر۔ اور اس میں نور وروشنی ہوتی ہے۔

﴿وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى﴾ یعنی جب رات زمین کو ڈھانپ لے اور اس پر اپنے اندھیرے کا پردہ ڈال دے۔

پس اللہ تعالی نے دو متضاد چیزوں کی قسم اٹھائی: ایک تو ضحیٰ (دھوپ چڑھنے کے وقت) کی جس میں روشنی ونور ہوتا ہے۔ دوسری

رات کی جب وہ ڈھانپ لے اور اس میں اندھیرا ہوتا ہے۔

فرمایا:﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ﴾ یعنی اس نے آپ کو نہیں چھوڑا ﴿وَمَا قَلٰى﴾ یعنی نہ اس نے آپ سے بغض ونفرت کی، بلکہ جتنا ہمیں علم ہے محمد ﷺ تو اللہ تعالی کو تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں، اسی لیے اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو سب سے عظیم ترین رسالت اور افضل ترین امت کے لیے چن لیا، اور آپ ﷺ کو خاتم النبیین بنایا کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

اللہ تعالی اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے:

﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا﴾ (الطور:48)

(اور اپنے رب کا حکم آنے تک صبر کرو، پس بے شک تم ہماری آنکھوں کے سامنے ہو)

پس اللہ تعالی کی آنکھیں آپ ﷺ کو دیکھ رہی ہیں، نگہبانی وحفاظت فرمارہی ہیں۔

آپ ﷺ ہی وہ شخصیت ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ، وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ﴾ (الشعراء:218-219)

(جو تمہیں دیکھتا ہے، جب تم قیام کرتے ہو، اور سجدہ کرنے والوں میں تمہاری نقل وحرکت کو بھی)

اللہ تعالی نے ہرگز بھی آپ ﷺ کو نہ چھوڑا بلکہ اپنے علم، رحمت وعنایت اور اس کے علاوہ جو دنیا وآخرت میں آپ کی رفعت کا تقاضہ بنتا ہے کے ساتھ آپ ﷺ کا احاطہ فرمایا۔ جیسا کہ اس کے بعد والی سورۃ ہی میں فرمایا:

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ (الانشراح:4)

(اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کردیا)

فرمایا:﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى﴾ یہ جملہ لام کے ساتھ تاکیدی ہے یعنی لامِ ابتداء اور ﴿الاخرۃ﴾ وہ دن ہے جس میں لوگ اٹھائے جائیں گے، اور اپنے آخری ٹھکانے جنت یا جہنم پہنچادیے جائیں گے۔ چناچہ اللہ تعالی اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے:﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى﴾ آپ کے لیے آخرت اولیٰ یعنی دنیا سے بہتر ہے۔ وہ اس لیے کیونکہ آخرت میں وہ کچھ ہوگا جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا خیال بھی گزرا۔ اور جس جنت میں

ایک کوڑا رکھنے کی جگہ دنیاومافیہا سے بہتر ہے۔ جیسا کہ یہ بات رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

اسی لیے جب اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کو ان کے مرض کے وقت یہ اختیار دیا کہ اس دنیا میں رہیں جتنا چاہیں یا پھر جو کچھ اللہ کے پاس ہے اسے اختیار کرلیں، تو آپ ﷺ نے جو کچھ اللہ تعالی کے پاس ہے اسے اختیار فرمایا۔ جیسا کہ اس کا اعلان آپ ﷺ نے اپنے خطبے میں فرمایا جبکہ آپ ﷺ منبر پر کھڑے تھے کہ:

”إن عبداً من عباد الله خيره الله بين أن يعيش في الدنيا ما شاء الله أن يعيش وبين ما عنده فاختار ما عنده“[1]

(بے شک اللہ تعالی نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو یہ اختیار دیا کہ وہ اس دنیا میں اتنا رہ لے جتنا اللہ چاہے کہ وہ رہے، یا پھر جو اس (اللہ) کے پاس ہے اسے اختیار کرلے)۔

جس پر ابو بکر رضی اللہ عنہ رو دیے اور لوگوں کو آپ رضی اللہ عنہ کے رونے پر حیرت ہوئی کہ وہ اس بات پر کیوں رو رہے ہیں! لیکن آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو تمام لوگوں سے بڑھ کر جاننے والے تھے۔ لہذا آپ رضی اللہ عنہ نے یہ جان لیا کہ جنہیں اختیار دیا گیا ہے وہ بذات خود رسول اللہ ﷺ ہیں، اور بلاشبہ آپ ﷺ نے جو کچھ اللہ کے پاس ہے یعنی آخرت اسے اختیار فرمایا، اور یہ آپ ﷺ کی وفات کے قریب ہونے کا عندیہ ہے۔

پھر فرمایا: ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ﴾ (اور یقیناً عنقریب تمہارا رب تمہیں وہ کچھ عطاء فرمائے گا، پس تم راضی ہو جاؤ گے) ﴿وَلَسَوْفَ﴾ یہاں بھی لام تاکید کے لیے ہے اور یہ قسم کی جگہ ہے، اور "سوف" کسی چیز کے حصول پر دلالت کرتا ہے لیکن کچھ مہلت و عرصے کے بعد، ﴿يُعْطِيكَ رَبُّكَ﴾ یعنی تمہیں وہ کچھ عطاء فرمائے گا جو تمہیں راضی کرنے والا ہو، پس تم راضی ہو جاؤ گے۔ یقیناً اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو وہ کچھ عطاء فرمایا جو آپ ﷺ کو راضی کرنے والا تھا۔ بلاشبہ اللہ تعالی آپ ﷺ کو بروز قیامت مقام محمود پر فائز فرمائے گا، جس کی تعریف اگلے پچھلے سب کریں گے یہاں تک کہ انبیاء میں سے اولوالعزم رسول علیہم السلام تک اس درجے تک رسائی حاصل نہ کرسکیں گے جہاں تک آپ ﷺ پہنچے۔ اور جب قیامت کا دن ہو گا اور مخلوق بہت عظیم کرب و غم میں مبتلا ہو گی، اور ان پر شدید گھٹن تنگی در تنگی ہونے لگے گی، تو ایک دوسرے سے مطالبہ کریں گے کہ کس طرح کسی ایسے کو تلاش کریں جو اللہ عزوجل کے یہاں ان کی سفارش کرسکے، تو وہ آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس پہنچیں گے، پھر نوح، پھر

---

[1] صحیح بخاری 3904 کے الفاظ ہیں: ”إِنَّ عَبْدًا خَيَّرَهُ اللهُ بَيْنَ أَنْ يُؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا مَا شَاءَ، وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَهُ“ (توحید خالص ڈاٹ کام)

ابراہیم، پھر موسیٰ اور پھر عیسیٰ علیہم السلام یہ پانچ پیغمبر جن میں سے پہلے ابو البشر علیہ الصلاۃ والسلام ہیں، پھر نوح، ابراہیم، موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام یہ چار اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں۔ یہ سب کے سب مخلوق کی شفاعت کرنے سے معذرت کریں گے یہاں تک کہ لوگ نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ جائیں گے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوں گے اور ان کی شفاعت فرمائیں گے۔ بلاشبہ یہ ایک عظیم عطاء ہے جو مخلوق میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں۔

پھر اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی سابقہ نعمتوں کا ذکر فرمایا تاکہ اس سے استدلال فرمائے اپنے لاحقہ (بعد میں ملنے والی) نعمتوں پر، فرمایا:

﴿اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى﴾ (کیا اس نے تمہیں یتیم نہیں پایا، پس ٹھکانا دیا) یہاں استفہام تقریر کے لیے ہے یعنی یقیناً اللہ تعالی نے تمہیں یتیم پایا تو تمہیں ٹھکانا دیا۔ یتیم باپ کی طرف سے بھی اور ماں کی طرف سے بھی۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ دودھ چھڑانے سے پہلے وفات پا گئیں، لیکن اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت یوں فرمائی کہ ایسی شخصیت کے بندوبست میں آسانی فرمائی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش اور دفاع کرسکے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس غایت تک پہنچ جائیں جو اللہ عزوجل چاہتا ہے۔ اور یہ فرمانا کہ ﴿يَتِيْمًا فَاٰوٰى﴾ یہ تعبیر (اللہ اعلم) ﴿فَاٰوٰى﴾ کے ذریعے لفظی اور معنوی سبب سے کی گئی ہے۔ جہاں تک لفظی سبب کا تعلق ہے تاکہ اس سورۃ میں آیات کے سرے ایک جیسے ہوں۔ جبکہ معنوی سبب یہ ہے کہ اگر اس کی تعبیر "فآواك" (تمہیں ٹھکانہ دیا) سے ہوتی تو یہ ٹھکانہ دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہو جاتا جبکہ معاملہ اس سے زیادہ وسیع ہے، کیونکہ بلاشبہ اللہ تعالی نے تو نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھکانہ دیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دوسروں کو بھی ٹھکانہ دیا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے مومنین کو بھی ٹھکانہ ملا اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نصرت و تائید فرمائی، اور ان کا دفاع فرمایا بلکہ خود اللہ تعالی نے ان کا دفاع فرمایا۔

فرمایا: ﴿وَوَجَدَكَ ضَاۗلًّا فَهَدٰى﴾ (اور اس نے تمہیں راستے سے ناواقف پایا، پس راستہ دکھا دیا)

﴿وَوَجَدَكَ ضَاۗلًّا﴾ یعنی لاعلم پایا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پر وحی نازل ہونے سے پہلے کچھ علم نہ رکھتے تھے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾ (النساء:113)

(اور تمہیں وہ کچھ سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے)

اور فرمایا:

﴿وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ﴾(العنکبوت:48)

(اور تم اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے)

پس آپ ﷺ کچھ علم نہ رکھتے تھے بلکہ آپ ﷺ تو ان پڑھ لوگوں میں سے تھے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ﴾ (الجمعۃ:2)

(وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا)

جو نہ پڑھ سکتے تھے نہ لکھ سکتے تھے، لیکن اس عظیم غایت یعنی وحی تک پہنچ گئے جو اللہ تعالی نے آپ ﷺ پر نازل فرمائی۔ پس آپ ﷺ کو علم ہو گیا اور دوسروں کو بھی تعلیم دی۔ لہذا یہاں فرمایا﴿فَهَدَىٰ﴾اور اس کی تعبیر بھی (اللہ اعلم) "فهداك" سے نہیں فرمائی، تاکہ یہ زیادہ شمولیت والی اور وسیع ہو کہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو ہدایت دی، اسی طرح آپ ﷺ کے ذریعے بھی ہدایت دی، پس آپ ﷺ هادِ مهدي ہیں۔ الغرض ﴿فَهَدَىٰ﴾یعنی آپ ﷺ کو بھی ہدایت دی اور آپ ﷺ کے ذریعے بھی ہدایت دی۔

فرمایا:﴿وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ﴾ (اور اس نے تمہیں تنگدست پایا، تو غنی کر دیا)

یعنی تمہیں تنگ دست پایا کہ کسی ملکیت کے مالک نہ تھے، تو﴿فَأَغْنَىٰ﴾ یعنی اللہ تعالی نے تمہیں غنی کر دیا اور تمہارے ذریعے دوسروں کو بھی۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا﴾(الفتح:20)

(اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا جنہیں تم حاصل کرو گے)

کتنا کچھ مسلمانوں نے تلواروں کے سایے تلے کافروں سے غنیمت حاصل نہیں کی، عظیم و کثیر غنیمتیں ہی غنیمتیں جو سب کی سب رسول کریم ﷺ کے سبب سے تھیں کہ انہوں نے آپ ﷺ کے راستے اور ہدایت کی پیروی کی، اور آپ ﷺ کی سنت کی اتباع کی تو اللہ تعالی نے اس کے ذریعے سے انہیں فتح و نصرت سے ہمکنار فرمایا اور انہوں نے زمین کے شرق و غرب سے غنیمتیں

حاصل کیں۔ اور آج بھی اگر امت اسلامیہ اس چیز کی طرف لوٹ آئے جس پر سلف صالحین تھے تو نصرت، غنی، عزت و قوت بھی ان کی طرف لوٹ آئے گی۔ لیکن افسوس ہے کہ بلاشبہ امت اسلامیہ کا موجودہ دور میں یہ حال ہے کہ ہر کوئی دنیا سے اپنے حصہ بٹورنے پر لگا ہوا ہے قطع نظر اس سے کہ اسلام کی نصرت ہو یا پستی ہو۔ جو شخص حال میں ہونے والے واقعات و حالات پر غور کرے گا تو اس پر یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ درحقیقت یہ مسلمانوں کی ذلت پر مبنی ہیں، اور بے شک جو کچھ ہوا اس کے پیچھے عظیم و بہت بڑا اثر پنہاں ہے۔ خصوصاً یہود و نصاریٰ کی طرف سے جو کہ ایک دوسرے کے دوست ہیں، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَاۗءَ ۘبَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ﴾ (المائدۃ:51)

(اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، یہ تو ایک دوسرے کے ہی دوست ہیں)

دونوں یعنی یہود و نصاریٰ مسلمان دشمنی پر متفق ہیں، یہ سب اسلام نہیں چاہتے، نہ ہی اہل اسلام کو چاہتے ہیں، نہ اسلام کے غلبے و عزت کو پسند کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالی ضرور اپنے دین کی نصرت فرمائے گا گرچہ کتنے ہی ناگفتہ بہ حالات ہوں، اللہ تعالی اپنے دین و کتاب کی نصرت کرنے والا ہے، اگرچہ مسلمانوں کے جو حالات بنے سو بنے، کیونکہ بے شک اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُھَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ (آل عمران:140)

(ان دنوں کو تو ہم لوگوں کے درمیان یونہی الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں)

ہوسکتا ہے کہ وہ دن آجائے کہ مسلمان یہود کے خلاف جہاد کریں یہاں تک کہ (جیسا کہ حدیث میں ہے) یہودی کسی درخت کے پیچھے چھپے اور وہ درخت پکار اٹھے اے مسلمان! اے اللہ کے بندے! میرے پیچھے یہ یہودی چھپا ہوا ہے، پس مسلمان آئے گا اور اسے قتل کردے گا، اور یہ اللہ تعالی پر ذرا بھی مشکل نہیں۔ لیکن مسلمانوں کو ایک ایسی حکیم قیادت کی ضرورت ہے جو سب سے پہلے شریعت کا علم بھی رکھتی ہو، کیونکہ ایسی قیادت جو نور شریعت سے استفادہ نہ کرے اس کا انجام وبال ہی ہوتا ہے۔ چاہے وہ کتنی ہی بلندی پر چلی جائے چاہے (ترقی کی) سب سے بلند چوٹیوں تک پہنچ جائے عنقریب وہ اتھاہ گہرائی میں جاگریں گے۔ ہدایت تو اسلام کے ساتھ ہے نہ قومیت کے، نہ عصبیت، نہ وطنیت اور نہ ہی اس کے علاوہ کسی چیز کے ساتھ، صرف اور صرف اسلام کے ساتھ ہے۔ لہذا اسلام اکیلا ہی اس امت کی عزت کا ضامن ہے۔ لیکن اس کے لیے ایک ایسی حکیم قیادت کی ضرورت ہے جو تمام چیزوں کو ان کے لائق مقام پر رکھے۔ اور حلم وبردباری سے امور کو لے کر چلے ناکہ عجلت و جلد بازی سے۔ ممکن ہی نہیں کہ لوگ راتوں رات صحیح ہوجائیں۔ جو ایسا چاہتے ہیں تو گویا کہ وہ چاہتے ہیں اللہ تعالی اپنی سنت بدل دے۔ حالانکہ اللہ

سبحانہ وتعالی اپنی سنت ہر گز بھی نہیں بدلتا۔

آپ دیکھیں یہ اللہ کے پیارے نبی ﷺ ہیں مکہ میں تیرہ برس رہے اور آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی رہی اور آپ ﷺ اللہ تعالی کی طرف اچھے طور پر دعوت دیتے رہے۔ اس کے باوجود آخر کار آپ ﷺ کو ڈرتے سہمتے مکہ چھوڑنا پڑا اور دعوت مکہ میں مکمل نہ ہوئی۔ تو پھر ہم کیوں چاہتے ہیں ایسی امت کے لیے کہ جن پر خواب غفلت میں پڑے صدیاں بیت چکی ہوں کہ وہ راتوں رات سدھر جائیں! یہ تو عقل کی حماقت اور دین میں گمراہی ہے۔ امت کو علاج کی ضرورت ہے جو نرمی اور رفق کے ساتھ ہو اور اچھے طور وپیارے انداز میں انہیں دعوت دی جائے۔ امت کو فقہ فی الدین اور دعوت الی اللہ میں حکمت اپنانے کے بعد ضرورت ہے کہ حالات حاضرہ ومعلومات کو حاصل کرکے ان امور پر ہوشیاری ودور اندیشی سے کام لے۔ کیونکہ نتائج ہوسکتا ہے ایک ماہ یا دوماہ یا ایک سال یا دو سال میں ظاہر نہ ہوں، لیکن ایک عقل مند صبر کرتا ہے اور دیکھتا ہے غور وفکر کرتا ہے یہاں تک کہ اچھی طرح سے سب جان جاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ امور عزم، مصمم ارادہ وصبر کا تقاضہ کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ بہت ضروری ہے لازم ہے کہ انسان کا پختہ عزم ہو جو اسے عمل پر ابھارے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ایسا صبر کرے جس کے ذریعے انسان کو ثابت قدمی حاصل ہو، ورنہ تو یہ سب امور یا ان میں سے بہت سے فوت ہوجائیں گے، واللہ المستعان۔

اللہ تعالی کا فرمان: ﴿فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ﴾ (پس جو یتیم ہے تم بھی اب (اس پر) سختی نہ کرو)

یہ اس آیت ﴿اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى﴾ (کیا اس نے تمہیں یتیم نہیں پایا، پس ٹھکانا دیا) کے مقابل میں ہے۔ بس جب اللہ تعالی نے تمہیں ٹھکانہ دیا تمہارے یتیم ہونے کے باوجود تو تم بھی یتیم پر سختی نہ کرو، بلکہ اس کا اکرام کرو۔ یتیموں پر احسان کرنا اور ان کا اکرام کرنا شرعی اوامر میں سے اور اس شریعت کے خوبیوں میں سے ہے۔ کیونکہ بے شک یتیم وہ ہوتا ہے جس کا باپ اس کی بلوغت سے پہلے فوت ہوجائے تو اس کی شخصیت ٹوٹی ہوئی ہوتی ہے جسے جوڑنے کی ضرورت ہوتی ہے، ایسے کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے تسلی دے اور اس کے دل میں خوشی وسرور بھر دے۔ خاص کر جب اس کی عمر اتنی ہوگئی ہو کہ وہ باتوں کو سمجھ سکتا ہے جیسے سات یا دس یا اس جیسی عمر۔

پھر فرمایا: ﴿وَاَمَّا السَّاۗىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ (اور جو سائل ہے پس (اسے) مت جھڑکو) یہ مقابل ہے ﴿وَوَجَدَكَ ضَاۗلًّا فَهَدٰى﴾ (اور اس نے تمہیں راستے سے ناواقف پایا، پس راستہ دکھا دیا) کے۔ سائل میں جو سب سے پہلے شمار ہوتا ہے وہ شریعت اور علم کے بارے میں سوال کرنے والا سائل ہوتا ہے، پس اسے نہ جھڑکو۔ کیونکہ اگر اس نے آپ سے پوچھا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ آپ اس کے لیے شریعت کی وضاحت کیجئے، پس آپ پر واجب ہے کہ اس کے سامنے اس کی وضاحت کریں، کیونکہ

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ﴾(آل عمران:187)

(اور جب اللہ نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا جنہیں کتاب دی گئی کہ تم ہر صورت اسے لوگوں کے لیے صاف صاف وضاحت سے بیان کروگے اور اسے نہیں چھپاؤ گے)

پس اسے نہ جھڑکیں، اگر آپ انہیں جھڑکیں گے تو انہیں متنفر کردیں گے۔ پھر آپ یہ بھی دیکھیں اگر آپ نے اسے جھڑکا اور وہ آپ کو اپنے سے اعلیٰ مانتا ہو، کیونکہ ظاہر ہے جب وہ آپ سے سوال کرنے آیا ہے تو اسی لیے ہی آیا ہے کہ آپ اس سے اوپر ہیں، لہذا اگر آپ نے اسے جھڑک دیا جبکہ وہ یہ مانتا ہے کہ آپ اس سے اوپر ہیں تو اس پر ایسا رعب طاری ہوگا کہ وہ حواس باختہ ہوجائے گا۔ بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ بدحواسی میں سوال کرے اور سمجھے ہی نہ کہ کیا کہنا تھا، یا جو جواب اسے ملے اسے بھی بدحواسی میں سمجھ ہی نہ پائے۔ خود آپ اپنے اوپر قیاس کرکے دیکھ لیں اگر آپ کسی ایسے شخص سے بات کررہے ہوں جو درجے میں آپ سے بڑا ہے پھر وہ آپ کو جھڑک دے تو آپ بھی حواس باختہ ہوجائیں گے، اور اپنی عقل وفکر کو مجتمع نہیں کرپائیں گے۔ چناچہ سائل کو نہ جھڑکیں۔ ممکن ہے کہ اس میں مال کا سوال کرنے والا بھی داخل ہو یعنی اگر آپ کے پاس کوئی سائل آئے اور آپ سے مال مانگے تو اسے بھی نہ جھڑکیں۔

لیکن یہ ایسا عموم ہے جس میں تخصیص آتی ہے وہ یہ کہ: اگر آپ کو یقین ہو کہ علم سے متعلق سوال پوچھنے والا محض ہٹ دھرمی اور تنگ کرنے کے لیے سوال کررہا ہے، اور بس فلاں فلاں کی رائے معلوم کرنے میں اسے دلچسپی ہے تاکہ وہ ان سب کی آراء کو ایک دوسرے سے ٹکرائے، اگر واقعی آپ یہ جانتے ہیں تو اس صورت میں آپ کو حق ہے کہ آپ اسے جھڑک دیں۔ اور کہیں کہ: اے فلاں! اللہ تعالی سے ڈرو کیا تم نے فلاں سے پہلے ہی یہ نہیں پوچھ لیا، تو پھر مجھ سے واپس سے کیسے پوچھ رہے ہو؟! کیا تم اللہ کے دین کے ساتھ کھیل رہے ہو؟! کیا چاہتے ہو کہ لوگ تمہاری خواہش کے مطابق تمہیں فتویٰ دے دیں تو تم چپ ہوجاؤ گے، اگر خواہش کے مطابق فتویٰ نہ دیں تو بس سب سے پوچھتے ہی جاؤ گے؟! تو اس قسم کے شخص کو جھڑکنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ جھڑکنا تادیب کے لیے ہے۔

اسی طرح سے مال کا سوال کرنے والا ہے۔ اگر آپ اس کے بارے میں بھی جانتے ہیں کہ جو آپ سے مال مانگ رہا ہے خود غنی ہے تو آپ کو حق پہنچتا ہے کہ آپ اسے جھڑک دیں، اسی طرح سے آپ کو حق ہے کہ اسے ڈانٹیں اس بات پر کہ تم غنی ہو کر مانگتے ہو!

چناچہ یہ جو عموم ہے ﴿السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ﴾ مخصوص ہے اس بات کے ساتھ کہ اگر مصلحت کا تقاضہ ہو کسی کو جھڑکنے کا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

آخر میں فرمایا: ﴿وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ﴾ (اور جو نعمتیں ہیں تمہارے رب کی، پس (انہیں) بیان کرتے رہو)

اللہ کی وہ نعمتیں جو اس رسول ﷺ پر ہیں جن کا ذکر ان تین آیات میں ہوا کہ:

﴿اَلَمۡ يَجِدۡكَ يَتِيۡمًا فَاٰوٰى، وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى، وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰى﴾

(کیا اس نے تمہیں یتیم نہیں پایا، پس ٹھکانا دیا۔ اور اس نے تمہیں راستے سے ناواقف پایا، پس راستہ دکھا دیا۔ اور اس نے تمہیں تنگدست پایا، تو غنی کر دیا)

ان تینوں کے ساتھ نعمتوں کی تکمیل ہوتی ہے۔

تحدیثِ نعمت (یعنی اللہ کی نعمت کا بیان کرو) مطلب کہو: میں یتیم تھا تو اللہ تعالی نے مجھے ٹھکانہ دیا، میں راستے سے ناواقف تھا تو اللہ نے مجھے ہدایت دی، میں تنگدست تھا تو اللہ تعالی نے مجھے غنی کر دیا۔ لیکن ان نعمتوں کا بیان کرنا نعمت کے اظہار اور منعم (نعمت فرمانے والے) کے شکر کے طور پر ہو، ناکہ دیگر مخلوق پر فخر و غرور کرتے ہوئے، کیونکہ اگر اس طور پر دیگر مخلوق پر بطور فخر و غرور آپ نے کیا تو یہ قابل مذمت ہے۔ البتہ اگر آپ کہیں یا اپنے پر اللہ کی نعمت کا بیان کریں نعمت کے ذکر اور منعم کے شکر کے طور پر تو اس بات کا اللہ تعالی نے حکم دیا ہے۔

یہ کچھ مختصر سے کلمات تھے جو اس عظیم سورۃ کے تعلق سے ہم نے پیش کیے۔ جو کچھ ہم یا ہمارے علاوہ جتنے بھی اہل علم ہیں بیان کرتے ہیں وہ قرآن مجید کے عظیم معانی کا کبھی بھی احاطہ نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ وہ ہمیں دین اللہ کا فہم عطاء فرمائے، اور جو کچھ ہمیں علم ہے اس پر عمل کی توفیق دے۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تصدیق نامہ

مندرجہ بالا مواد توحیدِ خالص ڈاٹ کام کی جانب سے نظر ثانی کیا گیا ہے اور ہمارے علم کے مطابق اس میں کتاب وسنت اور فہم سلف صالحین کے مخالف کوئی بات مندرج نہیں۔ آپ اگر ٹائپنگ وغیرہ میں کوئی بھی غلطی محسوس کریں تو ضرور مطلع فرمائیں۔ اسی طرح سے اگر ترجمے میں کسی بھی قسم کی غلطی، تضاد، نقص یا ابہام پائیں، یا پھر اصل عربی متن کے مقتضی کے خلاف کوئی اور معنی ومفہوم بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہو، یا پھر تیار کردہ مواد میں کوئی بھی بات قرآن وسنت اور فہم سلف صالحین کے خلاف ہو تو ضرور ہمیں مطلع فرمائیں info@tawheedekhaalis.com اور براہ مہربانی غلطی کی نشاندہی مکمل حوالے کے ساتھ کی جائے تاکہ فوری اصلاح ممکن ہو۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ہم میں سے کوئی آپ کے دینی مسائل کا جواب یا فتوی دینے کا مجاز نہیں بلکہ اس سلسلے میں علماء کرام سے براہ راست رابطہ کیا جائے۔ البتہ اگر آپ کے پاس کوئی مفید تجاویز ہوں تو ہم اس پر ضرور غور کریں گے۔